25

اسلام کے غلبہ کی یہی صورت ہے کہ ہم میں نسلاً بعد نسلٍ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں

(فرمودہ 23 ستمبر 1955ء بمقام کراچی)

تشہّد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ انفال کی اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ 1-
اِس کے بعد فرمایا۔

"سلسلہ احمدیہ کو قائم ہوئے آج چھیاسٹھ سال ہوئے ہیں اور اس کی بنیاد پڑے اس سے بھی سات آٹھ سال زیادہ ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وفات پائے بھی 46 سال ہوگئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں ایمان لانے والے احمدیوں کی اکثریت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا موقع نہیں مل سکتا تھا کیونکہ وہ اُس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا اتنے چھوٹے تھے کہ سوائے اِس کے کہ اُن کے ماں باپ احمدی ہوں ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں لے جانے والا اَور کوئی نہیں تھا۔ مگر صحابہ کے حالات پڑھ کر اور صحابہ کی قربانیوں اور اُن کے درجات کا ذکر سن کر ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش! میں بھی صحابی ہوتا اور میں بھی ان برکات سے حصہ لینے والا ہوتا جن سے صحابہ نے حصہ لیا۔

پھر اگر رسول کریم ﷺ کے زمانہ کو لو تو آپؐ کی وفات پر تو اَب ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ شمسی لحاظ سے آپ کی ہجرت پر 1334 اور آپ کی وفات پر 1324 سال گزر چکے ہیں۔ پس آپ کے صحابہؓ میں سے ہونے کا کسی شخص کے لیے کوئی امکان ہی نہیں۔ کیونکہ 1334 سال دنیا میں کسی انسان کی عمر نہیں ہوسکتی۔ صرف ایک مثال حضرت مسیح ناصریؑ کی پائی جاتی تھی جن کو لوگوں نے آسمان پر زندہ بٹھا رکھا تھا۔ اور اگر آج وہ آسمان سے اتر آتے تو ان کی عمر 1988 سال ہوتی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے اُن کی بھی وفات ثابت کر دی اور اِس طرح اُن کے واپس آنے کا دروازہ آپ نے بند کر دیا۔ گویا صرف ایک مثال اتنی بڑی عمر کی پائی جاتی تھی وہ بھی غلط ہوگئی۔ یوں لوگوں نے بعض اَور انبیاء کی بھی بڑی عمریں بتائی ہیں اور اِس بارہ میں انہوں نے قرآن کریم کی بعض آیتوں سے بھی استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی ایک ہزار سال عمر تھی۔ اِسی طرح خواجہ خضر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور پانیوں پر اُن کی حکومت ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ صرف قصے ہی ہیں۔ گو ایمان کے ساتھ مل کر بعض دفعہ ایسے قصے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے قادیان میں جلسہ سالانہ کے بعد میں ہمیشہ سیر کے لیے دریا پر چلا جایا کرتا تھا جس کے نتیجہ میں قریباً سارا سال میری صحت اچھی رہتی۔ ربوہ میں صحت کی خرابی کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ یہاں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں میں تبدیلیٔ آب و ہوا کے لیے جا سکتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس بیماری سے صرف چند دن پہلے ایک زمیندار دوست نے مجھے ایک خط لکھا جسے پڑھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ اُس نے کتنی سچی بات لکھی ہے۔ اُس نے لکھا کہ قادیان میں جلسہ سالانہ کے بعد آپ ہمیشہ دریا پر چلے جایا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی صحت اچھی رہتی۔ مگر اب آپ کبھی باہر نہیں گئے اور میں ہر سال دیکھتا ہوں کہ آپ کی صحت جلسہ سالانہ کے بعد ہی بگڑتی ہے۔ اس کا آپ کو فکر کرنا چاہیے۔ اِس خط کے چند دن بعد ہی مجھ پر فالج کا حملہ ہوگیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ یہ بات ایک اَن پڑھ کو سُوجھی مگر ڈاکٹروں کو نہ سُوجھی۔ اگر ڈاکٹر میری صحت کی بحالی کے لیے تبدیلیٔ آب و ہوا پر اصرار کرتے تو شاید اِس مرض کا حملہ نہ ہوتا۔ بہرحال میں نے بتایا ہے کہ ایمان کے ساتھ مل کر ایسے قصے بھی بعض دفعہ زندہ ہو جایا کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں دریا پر گیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی جو بچپن میں میرے استاد رہے ہیں اور کچھ اَور دوست میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ناصر احمد بھی میرے ساتھ تھا۔ جب ہم کشتی میں بیٹھے دریا کی سیر کر رہے تھے تو ناصر احمد نے اپنے بچپن کے لحاظ سے کہا کہ ابا جان! اگر اِس وقت ہمارے پاس مچھلی بھی ہوتی تو بڑا مزا آتا۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ پانیوں پر خواجہ خضر کی حکومت ہے۔ اگر خواجہ خضر کوئی مچھلی ہماری طرف پھینک دیں تو تمہاری یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ جب میں نے یہ فقرہ کہا تو بھائی جی جھنجھلا کر کہنے لگے کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔اس سے بچے کی عقل ماری جائے گی۔ میں نے کہا ہمارے خدا میں تو سب طاقتیں ہیں وہ چاہے تو ابھی مچھلی بھجوا دے۔ میں نے یہ بات ابھی ختم ہی کی تھی کہ یکدم پانی کی ایک لہر اٹھی اور ایک بڑی مچھلی کُود کر ہماری کشتی میں آ گری۔ میں نے کہا دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت نمائی کر دی۔اور ہمارے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی وہ اُس نے پوری کر دی۔خواجہ خضر بے شک وفات پا چکے ہوں مگر ہمارا خدا جو ہمارا خالق اور مالک ہے وہ تو زندہ ہے اور وہ ہمارے جذبات کو جانتا ہے۔اُس نے اِس خواہش کو دیکھا اور میری بات کو پورا کر دیا۔تو انسان کی نیت اگر صادق ہو اور اُسے خدا تعالیٰ پر کامل یقین ہو تو ایسی غیر معمولی باتیں بھی رونما ہو جاتی ہیں جن سے انسان کو نہایت ہی تعجب ہوتا ہے۔

میں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ بڑی تپش کے بعد بارش آئی۔جس کمرہ میں مَیں رہتا تھا اُس کی کھڑکی میں نے کھولی اور بارش کا نظارہ دیکھنے لگا۔ چونکہ بڑی دیر کے بعد بارش آئی تھی اِس لیے مجھے اُس بارش کا بڑا مزا آیا۔مگر اُس روز مجھے پیچش اور مروڑ کی شکایت تھی۔ میں ابھی بارش کا نظارہ دیکھ ہی رہا تھا کہ میرے پیٹ میں زور سے مروڑ اٹھا۔اب میرا دل بھی نہ چاہے کہ میں بارش کا نظارہ چھوڑ کر جاؤں اور کھڑا بھی نہ رہ سکوں۔ چونکہ وہ ہلکی بارش تھی جو بعض دفعہ تھوڑی دیر ہو کر بند ہو جاتی ہے اس لیے میں ڈروں کہ اگر میں گیا تو بارش بند ہو جائے گی مگر اُس وقت کھڑے رہنے کی بھی طاقت نہیں تھی۔آخر میں جب جانے لگا تو بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا کہ خدایا! میں تو اَب کھڑا بھی نہیں ہوسکتا۔ میں اب پاخانے جاتا ہوں تُو ایسا انتظام فرما کہ خواہ درمیانی عرصہ میں یہ بارش بند ہو جائے جب میں واپس لَوٹوں تو پھر بارش شروع ہو جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ جونہی میں پاخانہ کے لیے بیٹھا بارش بند ہوگئی۔ اس کے بعد جب میں فارغ ہوا اور کمرہ میں آیا تو میں نے دوبارہ کھڑکی کھول دی۔ میرا کھڑکی کو کھولنا تھا کہ یکدم بارش شروع ہوگئی جو آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ تک جاری رہی۔ اب دیکھو! بارش میرے اختیار میں نہیں تھی۔ مگر خدا نے ایسے سامان کیئے کہ اِدھر میں کمرہ میں پہنچا اور اُدھر بارش شروع ہوگئی۔

اِسی طرح ایک جماعت نے حضرت خلیفہ اوّل سے اصرار کر کے مجھے اپنے پاس بلایا۔ وہ بڑی مخلص جماعت تھی۔ آپ نے جماعت کے اصرار کو دیکھ کر مجھے چند دنوں کے لیے وہاں بھجوا دیا۔ جب میں واپس آ رہا تھا تو چلتے چلتے کسی آئندہ خرچ کے خیال سے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ کم تھا۔ اُس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ میاں! مجھے ایک روپیہ بھیجیں۔ ابھی میرے دل سے یہ دعا نکلی ہی تھی کہ قریب کے ایک گاؤں سے ایک آدمی ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس کو دیکھتے ہی جو لوگ میرے ساتھ تھے وہ جلدی سے حفاظت کے لیے میرے اردگرد جمع ہونے لگ گئے۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگے یہ ہمارے سلسلہ کا شدید دشمن ہے اور احمدیوں پر اکثر حملے کرتا رہتا ہے۔ ہم آپ کے اردگرد اس لیے کھڑے ہوگئے ہیں کہ وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے تو وہ دوڑتا ہوا آیا اور میرے ساتھیوں کو دھکّا دے کر آگے بڑھا۔ پھر اُس نے ادب کے ساتھ میری طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک روپیہ میرے ہاتھ پر رکھ کر چلا گیا۔ میں نے کہا آپ لوگ تو کہتے تھے کہ یہ مارنے آیا ہے اور اس نے تو ایک روپیہ نذرانہ کے طور پر دیا ہے۔ پھر میں نے انہیں بتایا کہ ابھی میرے دل میں خیال آیا تھا کہ خدا مجھے ایک روپیہ بھیجے۔ سو خدا نے اس شخص کو بھیج دیا اور اس نے مجھے ایک روپیہ نذرانہ کے طور پر دے دیا۔

اب بھی میں نے بیماری کے علاج کے لیے یورپ کا سفر اختیار کرنے کا ارادہ کیا تو میں لاہور گیا۔ وہاں سول سرجن صاحب تشریف لائے۔ گو میری بیماری کا علاج اَور ڈاکٹر کر رہے تھے جو اُن سے بھی بڑے تھے۔ مگر قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی بیماری کے علاج کے لیے باہر جانا چاہے تو جب تک سول سرجن تصدیق نہ کرے اُس وقت تک اسے ایکسچینج نہیں مل سکتا۔ وہ جب میرے پاس آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ ایک ہزار پاؤنڈ کی سفارش کر دیں۔ وہ کہنے لگے

ایک ہزار پاؤنڈ بہت کم ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں دو ہزار پاؤنڈ کی سفارش کردوں۔ میں نے کہا آپ دو ہزار لکھیں گے تو ہمیں ایک ہزار بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ بالا افسر یہ کہیں گے کہ یہ سفارش کرنے والا کوئی مرزائی ڈاکٹر ہوگا۔ اِس پر انہوں نے ایک ہزار پاؤنڈ کی ہی سفارش کردی۔ جب ہم کراچی پہنچے تو ڈاکٹر جنرل ہیلتھ سے ملے انہوں نے بھی کہا کہ میں اس رقم کو بڑھا تو دیتا مگر میری سفارش پر مخالفت ہوجائے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے آپ اس رقم کو نہ بڑھائیں۔ آخر یہ سفارش سٹیٹ بنک کے پاس پہنچی اور اس نے ہمارے لیے صرف پانچ سو پاؤنڈ منظور کیے۔ اب پانچ سو پاؤنڈ کی یورپ کے اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی حقیقت ہی نہیں تھی۔ پہلی جگہ ہی جہاں ہم ٹھہرے وہاں ہم نے ڈاکٹر کو بھی دکھانا تھا اور اُس کی فیسیں وغیرہ ادا کرنی تھیں۔ اور پھر وہاں کی رہائش اور کھانے وغیرہ کے اخراجات بھی تھے جن پر گیارہ بارہ سو پاؤنڈ خرچ کا اندازہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی ہم وہاں پہنچے ہی تھے کہ دنیا کے چاروں طرف سے مجھے مخلصینِ جماعت کے خطوط آنے شروع ہوگئے کہ ہم نے اتنے پاؤنڈ آپ کے حساب میں بنک میں جمع کروا دیئے ہیں۔ اس روپیہ کو آپ اپنی ضروریات کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ اُس نے جماعتوں میں تحریک پیدا کی اور انہوں نے بنکوں میں میرے نام پر رقوم بھجوانی شروع کردیں۔

پچھلی دفعہ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ یہاں بعض سے قرضے بھی لئے گئے۔ لیکن باہر سے ایسے ایسے لوگوں نے ہمیں روپیہ بھیج دیا جن کا ہم نام بھی نہیں جانتے تھے۔ ایک دفعہ عراق سے کسی دوست نے کئی سو پاؤنڈ میرے نام پر بنک میں جمع کروا دیئے۔ جب مجھے بنک نے اطلاع دی تو پہلے میں نے سمجھا کہ کسی احمدی نے قرض کے طور پر یہ روپیہ بھجوایا ہوگا۔ مگر جب وہاں کے احمدیوں سے دریافت کیا گیا تو سب نے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے یہ روپیہ نہیں بھجوایا۔ آخر اُس غیر احمدی دوست کو خط لکھے گئے۔ اس نے جواب میں لکھا کہ آپ کو غلطی لگی ہے میں نے کوئی قرض نہیں دیا۔ میں نے چھ سو یا آٹھ سو پاؤنڈ جو آپ کو بھجوایا تھا وہ محض نذرانہ کا تھا۔

اِسی طرح اب کی دفعہ ہوا۔ اگر اس رنگ میں اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو وہاں ہمارے گزارہ کی کوئی صورت نہ تھی اور شاید واپسی ٹکٹوں پر چند دنوں کے بعد ہی ہم پاکستان پہنچ جاتے۔

مگر وہاں جاتے ہی چاروں طرف سے اطلاعات آنی شروع ہوگئیں کہ ہم نے اِتنی رقوم آپ کے نام پر بنک میں جمع کرادی ہیں اور یہ پاکستانی رقوم نہیں تھیں کہ اس پر پاکستان گورنمنٹ کو کوئی اعتراض ہوتا۔

پھر صحت کے لیے ڈاکٹروں نے سیر کرنا ضروری قرار دیا تھا اور مختلف ممالک کی سیر کے لیے بڑی بھاری رقم کی ضرورت تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ باہر سے جو روپیہ آیا اُس سے یہ اخراجات بھی پورے ہوگئے اور دو موٹر ہم نے خرید لئے۔ آتی دفعہ ہمیں فکر ہوا کہ یہ موٹر جب ہم پاکستان میں لے گئے تو گورنمنٹ پاکستان ہمیں پکڑے گی کہ ہم نے تو صرف پانچ سو پاؤنڈ دیا تھا اور وہ بھی علاج کے لیے، یہ تیرہ چودہ سو پاؤنڈ کی موٹریں کہاں سے آگئیں۔ اِس پر ہم نے وہاں کے بنک کو لکھا کہ تم اِس امر کی تصدیق کردو کہ یہ روپیہ ہمیں امریکہ اور افریقہ وغیرہ سے آیا ہے۔ پاکستان کا اِس روپیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ بنک نے تصدیق کردی جو پاکستان گورنمنٹ نے تسلیم کی اور اِس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری تمام ضروریات پوری ہوگئیں۔

بہرحال میں یہ بتا رہا تھا کہ آپ لوگوں کے صحابی بننے کا کوئی رستہ نہیں تھا مگر آپ لوگوں میں سے ہر شخص جب صحابہ کے حالات کو پڑھتا تو اُس کا دل چاہتا تھا کہ کاش! وہ بھی صحابہ میں شامل ہوتا اور وہ بھی اُس مقام کو حاصل کرتا جو انہوں نے حاصل کیا تھا۔ اِس آیت میں جو میں نے ابھی پڑھی ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اس خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ صحابہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ابھی ایمان نہیں لائے۔ وہ بعد میں ایمان لائیں گے اور دین کی خاطر انہیں ہجرت بھی کرنی پڑے گی۔ جیسے کئی لوگ ایسے تھے جو ابتدائے سلسلہ میں ہی قادیان میں ہجرت کرکے آگئے۔ وہ فخر کرتے تھے کہ ہم نے ہجرت کی اور اُس وقت کی جب قادیان ایک چھوٹی سی بستی تھی اور اُس میں صرف چند گھرانے آباد تھے مگر پھر ہمیں قادیان سے نکالا گیا اور ربوہ کی آبادی کے لیے دوستوں کو ہجرت کرنی پڑی۔ اِس طرح بعد میں آنے والوں کے لیے پھر خدا نے ہجرت کا موقع پیدا کردیا اور انہیں بھی فخر کا ایک موقع حاصل ہوگیا۔ قادیان میں جو لوگ ابتدائی زمانہ میں ہجرت کرکے آئے اور انہوں نے مکان بنائے وہ بعض دفعہ فخریہ طور پر کہا کرتے تھے کہ ہم نے قادیان میں

اُس وقت مکان بنایا جب صرف دوسَو یا چار سَو گھر تھا۔ مگر اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ربوہ میں اُس وقت ہجرت کی جب صرف تین خیمے لگے ہوئے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے لوگوں کے مہاجر بننے کا بھی رستہ کھول دیا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائیں گے اور خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لیے ہجرت کریں گے اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لیے جہاد کریں گے فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ اے صحابہ! وہ تم میں سے ہی ہوں گے۔ دیکھو! خدا جس طرح صحابہ کا تھا اُسی طرح تمہارا ہے۔ اُس نے جب دیکھا کہ بعد میں آنے والوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے۔ جن کے دلوں میں ایمان ہوگا اور وہ چاہیں گے کہ اُن کے لیے بھی صحابیت کا رستہ کھولا جائے تو اُس نے ان کے دلوں کا بھی خیال رکھا اور فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ کہ وہ لوگ جو اِن کے بعد ایمان لائیں گے اور ہجرت کریں گے اور اسلام کی خدمت کے لیے جہاد کریں گے وہ بھی تم میں ہی شامل ہوں گے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہارے صحابی ہونے کا رستہ کھول دیا۔ ضرورت یہ ہے کہ تم اپنے اندر پختہ ایمان پیدا کرو، خدا تعالیٰ کے دین کے لیے اپنے وطنوں کو چھوڑنے کے لیے تیار رہو اور جہاد پر کمربستہ رہو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ ہر زمانہ میں جہاد کے طریق الگ الگ ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق دین کے جہاد میں حصہ لیتا ہے وہ انہی برکتوں سے حصہ پاتا ہے جن برکتوں سے پہلے لوگوں نے حصہ پایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی دیکھ لو آپ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ جہاد کے منکر ہیں اور اپنا مقام بہت بڑا بتاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس الزام کے جواب میں یہی لکھا ہے کہ میں جہاد کا منکر نہیں صرف اِتنی بات ہے کہ میں اِس وقت تلوار سے نہیں بلکہ قلم کی نوک سے جہاد کر رہا ہوں۔ جہاد کی غرض یہی ہے کہ اسلام دنیا پر غالب آجائے اگر کسی وقت قلم سے اسلام غالب آجاتا ہے تو قلم چلانے والا ہی مجاہد ہے۔ چونکہ اِس زمانہ میں دشمنانِ اسلام کی طرف سے تلوار سے نہیں بلکہ قلم سے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے میں بھی تلوار سے نہیں بلکہ قلم کی نوک سے جہاد کر رہا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وہی کچھ قلم سے دے دیا جو پہلوں کو تلوار کے نتیجہ میں ملا تھا۔

جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا اب اسلام کی بنیاد کو دوبارہ استوار کیا جا رہا ہے کیونکہ بارشوں اور طوفانوں کی کثرت کی وجہ سے اسلام کی عمارت میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی، اس کی دیواروں میں رخنے پڑ گئے تھے، اس کی سفیدی اتر چکی تھی، اس کی اینٹیں اپنی جگہ چھوڑ چکی تھیں اور اس کی چھت میں بڑے بڑے سوراخ ہو چکے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کی اس عظیم الشان عمارت کی مرمت کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اس قلعہ کا پاسبان مقرر فرمایا تا کہ اسلام کی یہ گرتی ہوئی عمارت پھر اپنی بنیادوں پر استوار ہو جائے اور دشمن کے حملے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ آپ آئے اور آپ نے نئے سرے سے اس عمارت کے فرش اور دیواروں پر سیمنٹ کر دیا۔ اس کے اندر دوبارہ سفیدی کر دی، اس کے تمام سوراخ بند کر دیئے اور اسے پھر ایک مضبوط قلعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب کسی کی طاقت نہیں کہ وہ اسلام کی دیوار کو گرا سکے۔ پھر خدا نے اس عمارت کی صرف مرمت ہی نہیں کی بلکہ ایک نئی فوج بھی تیار کر دی جو قلعہ کی حفاظت کے لئے اس کے سامنے کھڑی ہے۔ اب دشمن کی مجال نہیں کہ وہ اس قلعہ کی طرف بڑھے اور اس پر حملہ کر سکے کیونکہ اس قلعہ کے محافظین کے دلوں میں خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ وہ اس کی رضا کے لیے اپنے وطنوں کو چھوڑتے ہیں اور غیر ملکوں میں سالہا سال تک رہ کر دین کی اشاعت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔

ہمارے مبلّغین میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کی اور شادی کے چند ہفتہ بعد ہی غیر ممالک میں چلے گئے۔ چونکہ میاں بیوی اگر ایک رات بھی اکٹھے رہیں تو بعض دفعہ حمل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے پیچھے ہی بچے پیدا ہوئے اور وہ سالہا سال تک اپنے باپ کی شکل تک دیکھنے کو ترستے رہے۔ ایک مبلغ جو شادی کے معاً بعد تبلیغِ اسلام کے لئے چلے گئے تھے اُن کا بچہ اُن کے جانے کے بعد پیدا ہوا اور پھر بڑے ہو کر اسکول میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جب وہ دس سال کا تھا تو ایک دن وہ اسکول سے اپنے گھر آیا اور اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اماں! لڑکے جب اسکول میں آتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا ابا یہ لایا، ہمارا ابا وہ لایا۔ میرا بھی کوئی ابا ہے یا نہیں؟

اِسی طرح حکیم فضل الرحمٰن صاحب جو حال ہی میں میرے پیچھے فوت ہوئے وہ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی مغربی افریقہ میں تبلیغِ اسلام کے لیے چلے گئے اور تیرہ چودہ سال تک باہر رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی بیوی کے بال سفید ہو چکے تھے اور اُن کے بچے جوان ہو چکے تھے۔ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج جمعہ کے بعد میں حکیم فضل الرحمٰن صاحب، مولوی عبدالمغنی خان صاحب اور ماسٹر محمد حسن صاحب آسان کی نماز جنازہ پڑھوں گا۔

مولوی عبدالمغنی خان صاحب بھی اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اپنی زندگی وقف کی۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں قادیان میں ہجرت کر کے آگئے اور پھر وفات تک مرکز میں ہی رہے۔ اور سلسلہ کے مختلف عہدوں پر نہایت اخلاص اور محبت کے ساتھ کام کرتے رہے۔

پھر ماسٹر محمد حسن صاحب آسان بھی میرے پیچھے فوت ہوئے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا مولود احمد اِس وقت لندن مشن کا انچارج ہے۔ میں نے جب وقف کی تحریک کی تو گو سینکڑوں مالدار ہماری جماعت میں موجود تھے مگر ان کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ اپنی اولاد کو خدمتِ دین کے لیے وقف کریں۔ لیکن ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے اپنے چار لڑکے اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے۔ جن میں سے دو بیٹے اُن کی وفات کے وقت پاکستان سے باہر تھے۔ ان میں سے ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے اور ایک لندن مشن کا انچارج اور انگلستان میں ہمارا مبلغ ہے۔ ان کے سات بچے تھے اور وہ غریب آدمی تھے انہوں نے اپنے خرچ پر انہیں گریجوایٹ کرایا اور پھر سات میں سے چار کو وقف کر دیا۔ ان میں سے ایک الفضل کا ایڈیٹر ہے۔ ایک لندن مشن کا انچارج ہے۔ ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے اور ایک کراچی میں تحریک جدید کی تجارت کا انچارج ہے۔ ان سارے لڑکوں کو انہوں نے بی اے یا ایم اے اپنے خرچ پر کرایا۔ سلسلہ سے انہوں نے کوئی رقم نہیں لی۔ انہیں یہ کبھی خیال نہ آیا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اگر میرے بیٹے پڑھ کر اعلیٰ ملازمتیں حاصل کر لیں تو ہمارے خاندان کا نام روشن ہو جائے گا۔ انہوں نے روشنی صرف اسلام میں دیکھی اور اپنے لڑکوں کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

غرض ہماری جماعت میں ایسی مثالیں تو موجود ہیں جو جماعت کی عزت کو قائم رکھنے والی

ہیں لیکن اب یہ حالت ہے کہ سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کے اور یا پھر میری اولاد کے اَور کسی جگہ سے ہمیں واقفِ زندگی نہیں مل رہے۔ کبھی کبھی تو جب میں اِس حالت کو دیکھتا ہوں اور مجھے ڈر آتا ہے کہ کہیں میری اولاد بھی کسی وقت دوسروں کو دیکھ کر دین کی خدمت سے منہ نہ پھیر لے تو میرے دل میں جوش آتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ الٰہی ! مجھے صرف ایسی اولاد کی ضرورت ہے جو تیرے دین کی خدمت گزار ہو۔ تُو مجھے ایسا دن نہ دکھائیو کہ تیرے دین کو قربانی کی ضرورت ہو اور میرے بیٹے اس کے لیے تیار نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا دن آنے والا ہو تو تُو بڑی خوشی سے مجھے بے اولاد کر دے۔ کیونکہ میرا نام تُو نے روشن کرنا ہے میری اولاد نے نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری ساری اولاد دین کی خدمت کرنے والی ہو۔

دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا نہ تھا مگر کیا دنیا میں کوئی شخص ہے جو آپ کا نام عزت سے نہیں لیتا؟ آپ کا خدا سے تعلق ہو گیا اور خدا نے آپ کے نام کو ابدی طور پر زندہ کر دیا۔ پس جس کا خدا سے تعلق ہو جائے اُسے ڈر ہی کس بات کا ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ کو دیکھ لو۔ آپ کی کوئی جسمانی اولاد نہ تھی جو آپ کے نام کو زندہ رکھتی۔ مگر آج ساری دنیا کے عیسائی گو اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے انہیں خدائی کا رتبہ دیتے ہیں مگر وہ آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ وہ کام خود اچھا کرتے ہیں۔ مگر ہر اچھا کام کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ کرسچین سویلائزیشن ہے۔ چونکہ ان کی قوم میں رحم کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے اس لیے اگر وہ کسی موقع پر رحم سے کام لیتے ہیں تو ساتھ ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ کرسچین سویلائزیشن ہے۔ یہ مسیحؑ کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اگر مسیح کے اپنے بیٹے ہوتے تو کیا بن جاتا اور ان کا نام کتنے عرصہ تک باقی رہتا؟ لیکن چونکہ انہوں نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لیے وقف کر دی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو وہ عظمت دی کہ آج سارا یورپ اور سارا امریکہ اُن کی عزت کر رہا ہے۔ بلکہ یورپ کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ملک کے عیسائی جس طرح حضرت مسیحؑ کو یاد رکھتے ہیں اگر اُن کے اپنے بیٹے بھی موجود ہوتے تو اِس طرح اُن کو یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔

اِسی طرح میں سمجھتا ہوں ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے بھی ایسا نمونہ دکھایا ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ وہ ایک معمولی مدرس تھے اور غریب آدمی تھے۔ انہوں نے فاقے کر کر کے اپنی اولاد کو پڑھایا اور اسے گریجوایٹ کرایا۔ اور پھر سات لڑکوں میں سے چار کو سلسلہ کے سپرد کر دیا۔ اب وہ چاروں خدمتِ دین کر رہے ہیں اور قریباً سارے ہی ایسے اخلاص سے خدمت کر رہے ہیں جو وقف کا حق ہوتا ہے۔ اگر یہ بچے وقف نہ ہوتے تو ساتوں مل کر شاید دس بیس سال تک اپنے باپ کا نام روشن رکھتے اور کہتے کہ ہمارے ابا جان بڑے اچھے آدمی تھے۔ مگر جب میرا یہ خطبہ چھپے گا تو لاکھوں احمدی محمد حسن صاحب آسان کا نام لے کر ان کی تعریف کریں گے اور کہیں گے کہ دیکھو! یہ کیسا باہمت احمدی تھا کہ اس نے غریب ہوتے ہوئے اپنے سات بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور پھر ان میں سے چار کو سلسلہ کے سپرد کر دیا۔ اور پھر وہ بچے بھی ایسے نیک ثابت ہوئے کہ انہوں نے خوشی سے اپنے باپ کی قربانی کو قبول کیا اور اپنی طرف سے بھی ان کے فیصلہ پر صاد کر دیا۔

میں نے پچھلے جمعہ میں جماعت کے دوستوں کو تحریک کی تھی کہ وہ اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لیے وقف کریں۔ اور میں نے بتایا تھا کہ اسلام کے غلبہ کی یہی صورت ہے کہ ہم میں نسلاً بَعْدَ نسلٍ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں۔ میں نے یہ تحریک کی اور اس پر ایک ہفتہ گزر گیا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک جماعت نے اس تحریک کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ ایک زمانہ وہ ہوا کرتا تھا کہ نارمل حالت میں جب میں تقریر کرتا تھا تو میں سمجھتا تھا کہ میں سامعین کے دل ہِلا سکتا ہوں۔ اور اگر ابنارمل (Abnormal) اور غیر معمولی حالت پیدا ہو جاتی تھی اور خدا تعالیٰ کا نور مجھ پر نازل ہوتا اور اُس کا تصرف میری زبان پر ہوتا تو میں سمجھتا تھا کہ اگر ساٹھ ہزار آدمی بھی میرے سامنے ہوں اور میں انہیں پہاڑ سے چھلانگ لگانے کے لیے کہوں تو وہ پہاڑ سے چھلانگ لگا دے گا۔ اور اگر میں انہیں سمندر میں کُودنے کے لیے کہوں تو وہ سمندر میں کُود جائے گا۔ لیکن اس بیماری کے بعد مجھے یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ میری وہ قوت بیانیہ اب مجھ میں موجود ہے یا نہیں۔

بہر حال میرے اس خطبہ کے بعد ایک احمدی نے مجھے خط لکھا کہ میرے دل میں وقف کی

تحریک ہوئی ہے۔ جب خدا مجھے توفیق دے گا میں اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دوں گا۔ سردست میں دعائیں کر رہا ہوں اور دوستوں سے مشورہ لینے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ وقف اچھی چیز ہے یا نہیں بلکہ اس لیے کہ میں ذاتی طور پر وقف کو نبھا سکتا ہوں یا نہیں۔ اور یہ بات درست ہے۔ اچھے سے اچھا کام بھی ہو تو اُس کے لیے دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مشورہ دینے والے بھی مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک مخلص احمدی جو اپنی قربانیوں کے لحاظ سے ہمیشہ صفِ اول میں شریک رہے ہیں اُن کے سامنے ایک دفعہ جب کہ میں کھانا کھا رہا تھا میرے ایک بیٹے کا ذکر آیا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی خواہش اعلیٰ تعلیم پانے کی ہے لیکن میں نے اُسے مشورہ دیا ہے کہ چونکہ تمہارے باپ بیمار ہیں اور ابھی ان پر بہت بوجھ ہے اس لیے سردست تم وہیں اپنی تعلیم مکمل کرو۔ پھر یہاں آ کر بیرسٹری کر لینا۔ میں نے کہا بیرسٹری؟ میں تو اپنے کسی ایسے لڑکے کو دیکھ ہی نہیں سکتا جو واقفِ زندگی نہ ہو۔ کہنے لگے روپیہ کی بھی تو ضرورت ہوتی ہے یہ روپیہ کمائے گا اور سلسلہ کی خدمت کرے گا۔ میں اُس دوست کو سلسلہ کا چوٹی کا خدمت گزار سمجھتا ہوں مگر جب اُس نے یہ فقرہ کہا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے میرے دل میں خنجر مار دیا ہے۔ اگر اس دوست کا مشورہ صحیح ہے تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نَعُوْذُبِاللّٰہِ بالکل بیوقوف اور جاہل تھے۔ اور مَیں جو اُن کا خلیفہ ثانی ہوں بڑا گدھا اور بیوقوف ہوں کیونکہ ہم نے اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ آخر دنیا کمانا مجھے بھی آتا ہے۔ مجھے خدا نے وہ دماغ دیا ہے کہ بڑے سے بڑے دماغ والے اِس بیماری میں بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور پھر خدا نے ہمیں سامان بھی دیئے۔ ہمارے باپ دادا اپنے علاقہ کے حاکم تھے اور انہوں نے ایک بہت بڑی جائیداد اپنے پیچھے چھوڑی وہ جائیداد جو تباہ ہونے کے بعد ہم تک پہنچی وہ بھی اِتنی قیمتی تھی کہ اگر ہم اُسے بیچنے کا موقع پاتے تو ہم تین بھائیوں کو تین تین کروڑ روپیہ مل جاتا۔ گویا ہم سارے بھائیوں کی جائیداد مجموعی طور پر نو کروڑ روپیہ کی تھی۔ اگر یہ نو کروڑ روپیہ ہم تجارت پر لگا دیتے تو اِس سے کئی گُنا زیادہ روپیہ ہم کما لیتے کیونکہ اصل چیز دماغ ہے جس سے روپیہ کمایا جاتا ہے۔ اور دماغی قابلیتیں اللہ تعالیٰ نے مجھ میں پیدا کی ہیں۔ لیکن اگر فرض کرو میں یہ نو کروڑ کی جائیداد سلسلہ کو دے

دیتا اور وہ کام نہ کرتا جو میں نے کیا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ نو کروڑ اس کام کے برابر ہو سکتے تھے؟۔ یا کیا وہ نو کروڑ کی جائیداد میری لکھی ہوئی تفسیر کے ایک صفحہ کے برابر بھی ہوسکتی تھی؟ میری تفسیرِ قرآن کا ایک صفحہ اس کروڑ سے ہزاروں گُنا زیادہ قیمتی ہے اور ہزاروں گُنے زیادہ فائدہ مند ہے۔ پس مجھے تعجب ہوا کہ اُس دوست نے یہ کیا بات کہی ہے۔ وہ دوست نہایت مخلص ہیں اور ساری عمر انہوں نے خدمتِ سلسلہ میں گزاری ہے۔ مگر پھر وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ روپیہ دینا بھی خدمت ہے۔

بے شک ہماری جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے مالی لحاظ سے سلسلہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ہم اُن کی قدر کرتے ہیں لیکن جن لوگوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لیے وقف کر دیں اور رات اور دن وہ خدمتِ سلسلہ میں مصروف رہے اُن کے وجود سے ہمارے سلسلہ کو جو فائدہ پہنچا ہے وہ روپیہ کے ذریعہ خدمت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

مجھے یاد ہے میری پندرہ سال کی عمر تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ اُن دنوں جو ڈاک آیا کرتی تھی وہ آپ کی بیماری کی وجہ سے میں ہی آپ کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک منی آرڈر آپ کے نام آیا جو -/180 روپیہ کا تھا۔ اور ساتھ ہی خط تھا جس میں لکھا تھا کہ یہ روپیہ چندے کا نہیں بلکہ حضور کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش ہے۔ اس میں سے 80 روپے تو وہ ہیں جو میں ہمیشہ ماہوار حضور کو بھیجا کرتا ہوں اور 100 روپیہ زائد اس لیے ہے کہ پہلے میری تنخواہ -/180 روپیہ تھی جس میں سے 80 روپے میں حضور کو نذرانہ بھجوا دیا کرتا تھا۔ اب مجھے یکدم سب انسپکٹر پولیس سے ترقی دے کر پراسیکیوٹنگ انسپکٹر بنا دیا گیا ہے اور -/280 روپے تنخواہ مقرر کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے یکدم یہ 100 روپیہ جو ترقی ملی ہے محض حضور کے لیے ملی ہے اس لیے سَو روپے وہ جو اَب بڑھے ہیں اور 80 روپے وہ جو میں ہمیشہ بھیجا کرتا ہوں حضور کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر بھجوا رہا ہوں۔ اور چونکہ خدا نے مجھے -/180 سے -/280 روپیہ تک یکدم پہنچایا ہے اور یہ 100 روپیہ کی زیادتی میرے لیے نہیں بلکہ حضور کے لیے ہوئی ہے اس لیے میں آئندہ بھی ہمیشہ ایک 180 روپے ہی حضور کی خدمت میں بھجوایا کروں گا۔ میں نے جب یہ خط پڑھا تو بڑا

متأثر ہوا کہ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے مخلص وجود پیدا کیے ہیں۔ یہ چودھری رستم علی صاحب تھے جو محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔

اسی طرح میں نے کئی دفعہ سیٹھ عبداللہ بھائی کی خدمات کا ذکر کیا۔ اب تو پارٹیشن اور ہندوستانی گورنمنٹ کے مظالم کی وجہ سے ان کی تجارت ویسی نہیں رہی لیکن ساری عمر ان کی یہی کیفیت رہی کہ جو روپیہ بھی اُن کے پاس آتا وہ اسے سلسلہ پر خرچ کر دیا کرتے اور اب بھی وہ اسی رنگ میں قربانی کرتے جا رہے ہیں۔

پس بے شک ہماری جماعت میں ایسے افراد ہیں جو مالی لحاظ سے سلسلہ کے کاموں میں غیر معمولی حصہ لیتے ہیں۔ لیکن ان افراد سے جو سلسلہ کو فائدہ پہنچا ہے کیا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تصنیف کے بھی برابر ہے؟ یا سلسلہ کے قائم کرنے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے جو وقت صَرف کیا اگر اُس وقت کو سلسلہ کے لیے صَرف کرنے کی بجائے آپ اپنے زمیندارہ کام میں لگ جاتے تو کیا سلسلہ کو اُتنا ہی فائدہ پہنچتا جتنا اب پہنچا ہے؟ یا میں ہی اگر اپنے زمیندارہ کام میں مشغول ہو جاتا تو میرے ذریعے سلسلہ کو وہ فائدہ پہنچ سکتا تھا جو اَب پہنچا ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے زمیندارہ کام بھی کیا ہے لیکن جب زمینوں کا کام اتنا بڑھا کہ میں نے سمجھا اب اگر میں نے اس کی طرف توجہ کی تو سلسلہ کے کام کو نقصان پہنچے گا تو میں نے میاں بشیر احمد صاحب کو بلوایا اور زمین کے کاغذات اُن کے سپرد کر دیئے۔ اور خود میرے پاس جتنا وقت تھا وہ سارے کا سارا میں نے اس سلسلہ کے لیے وقف کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں یہ کام خود بھی چلا سکتا تھا مگر اُن کے سپرد کرنے میں مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میں زمینوں کے کام سے فارغ ہو کر سلسلہ کے کاموں میں زیادہ تن دہی سے مصروف ہو گیا۔ پھر سندھ کی زمینیں ملیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ملازموں سے کام لینے کی توفیق عطا فرما دی۔ بے شک ملازموں پر کام کا انحصار رکھنے کی وجہ سے مجھے نقصان بھی ہوتا تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ زیادہ وقت اُدھر صَرف کروں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ سلسلہ کو میرے وقت کی زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے مالی لحاظ سے بھی سلسلہ کی خدمت کی توفیق عطا فرما دی۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح سیٹھ عبداللہ بھائی اور بعض دوسرے دوستوں نے قربانی

کی ہے اور سلسلہ کی غیر معمولی خدمت کی ہے اِسی طرح مَیں نے بھی کی ہے۔ چنانچہ اب تک تحریک جدید میں مَیں نے ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ چندہ دیا ہے۔ لیکن اگر وہ خطبات جو تحریک جدید کے لیے میں نے پڑھے ہیں نہ پڑھتا اور صرف ساڑھے تین لاکھ روپیہ چندہ دے دیتا تو ساڑھے تین لاکھ سے ساری دنیا میں تبلیغِ اسلام نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ تبلیغِ اسلام تو میرے وقف کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پس بے شک روپیہ بھی ایک قیمتی چیز ہے۔ لیکن روپیہ کے باوجود پھر بھی وقف کی ضرورت ہوتی ہے۔

پس وہ دوست جن کے دلوں میں میرے خطبہ کی وجہ سے وقف کی تحریک ہوئی ہے اُن سے میں کہتا ہوں کہ تم سوچو اور مشورہ لو مگر صرف اُنہی لوگوں سے مشورہ لو جو تمہیں مشورہ دینے کے اہل ہوں۔ بلکہ اگر تم صحیح مشورہ لینا چاہتے ہو تو مجھ سے لو۔ دوسروں کو کیا پتا ہے کہ سلسلہ کو کس قسم کے واقفین کی ضرورت ہے، کس قسم کا علم رکھنے والوں کی ضرورت ہے، کس قسم کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے اور پھر ان کے کتنے وقت کی سلسلہ کو ضرورت ہے۔ مجھے پتا ہے کہ سلسلہ کے لیے کس قسم کے کام کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے، کس قسم کے علم والوں کی ضرورت ہے اور کتنا وقت دے کر وہ سلسلہ کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اِس بارہ میں صحیح مشورہ انہیں مجھ سے ہی مل سکتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر صحیح طریق پر کام کیا جائے تو ایک وکیل وکالت کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے۔ اور ایک زمیندار زمیندارہ کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مشورہ صحیح آدمی سے لے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمہیں صحیح مشورہ دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ پس مجھ سے مشورہ لو اور کوشش کرو کہ تم اپنے آپ کو اُن لوگوں کی صف میں لے آؤ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ یعنی وہ لوگ ایمان تو بعد میں لائے اور انہوں نے ہجرت بھی بعد میں کی اور جہاد بھی بعد میں کیا۔ لیکن پھر بھی وہ صحابہ میں شامل ہوں گے۔ پس صحابہ میں ملنا تمہارے لئے مشکل نہیں۔ اگر تم کوشش نہ کرو تو اَور بات ہے۔ ورنہ خدا نے تمہارے اندر وہ قابلیت رکھ دی ہے جس سے اگر تم کام لو تو تم صحابہ میں شامل ہو سکتے ہو۔

میں چھوٹا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کے بعد والدہ مجھے بیت الدعا میں لے گئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہاموں والی کاپی میرے سامنے رکھ دی اور کہا کہ میں سمجھتی ہوں یہی تمہارا سب سے بڑا ورثہ ہے۔ میں نے اُن الہامات کو دیکھا تو اُن میں ایک الہام آپ کی اولاد کے متعلق یہ درج تھا کہ "حقِ اولاد در اولاد" اِسی طرح ایک اَور الہام درج تھا جو مُنذر تھا اور اُس کے نیچے لکھا تھا کہ جب میں نے یہ الہام محمود کی والدہ کو سنایا تو وہ رونے لگ گئیں۔ میں نے کہا کہ تم یہ الہام مولوی نورالدین صاحب کے پاس جا کر بیان کرو۔ انہوں نے محمود کی والدہ کو تسلی دی اور کہا کہ یہ الہام مُنذر نہیں بلکہ مبشر ہے۔ "حقِ اولاد در اولاد" کے معنی درحقیقت یہی تھے کہ وہ حق جو باہر سے تعلق رکھتا ہے یعنی زمینوں اور جائیدادوں وغیرہ میں حصہ، یہ کوئی زیادہ قیمتی نہیں۔ زیادہ قیمتی یہ چیز ہے کہ میں نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں وہ قابلیت رکھ دی ہے کہ جب بھی یہ اس قابلیت سے کام لیں گے دنیا کے لیڈر ہی بنیں گے۔ باقی ورثہ ضائع ہو جاتا ہے مگر یہ وہ ورثہ ہے کہ جو کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ اور یہ وہ ورثہ ہے جو ہم نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں مستقل طور پر رکھ دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بعد میں جو کچھ بھی ملا "حقِ اولاد در اولاد" کی وجہ سے ہی ملا۔ اور میں نے جتنے کام کیے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیت کی وجہ سے ہی کیے۔ ورنہ مجھ سے زیادہ کتابیں پڑھنے والے لوگ دنیا میں موجود تھے۔ اگر اُن کے دماغوں میں بھی وہی قابلیت ہوتی جو مجھ میں ہے تو دنیا میں دس ہزار محمود اَور بھی ہوتا۔ لیکن اگر ساری دنیا میں صرف ایک ہی محمود ہے تو اِس کی وجہ وہی "حق اولاد در اولاد" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا ورثہ ہمارے دماغوں کے اندر رکھ دیا ہے اور یہ وہ دولت ہے جسے کوئی شخص چُرا نہیں سکتا۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا جو کچھ تم زمین پر جمع کرو گے اُسے کیڑا کھا جائے گا۔ لیکن اگر تم آسمان پر جمع کرو تو وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گا اور کوئی کیڑا اُسے نہیں کھا سکے گا۔ 2 اِسی طرح جائیدادیں تباہ کی جاسکتی ہیں، زمینیں چھینی جاسکتی ہیں، لیکن ترقی کی وہ قابلیت جو دماغوں کے اندر ودیعت کر دی گئی ہو اُسے کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔

چنانچہ دیکھ لو وہی جائیداد جس کا حساب میں نے کروڑوں میں لگایا ہے اور جو شاید چند سالوں کے بعد اربوں کی جائیداد بن جاتی وہی ہمارے شریک بھائیوں کے سپرد تھی۔ مگر اس کی کوئی

قیمت نہ تھی۔ اور ہم اُس سے اِس قدر ناواقف تھے کہ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی وفات کے بعد ایک دن ہمارے نانا جان والدہ صاحبہ کے پاس آئے اور انہوں نے غصہ میں رجسٹر زمین پر پھینک دیئے اور کہا کہ میں کب تک بڈھا ہو کر بھی تمہاری خدمت کرتا رہوں۔ اب تمہاری اولاد جوان ہے اس سے کام لو اور زمینوں کی نگرانی ان کے سپرد کرو۔ والدہ نے مجھے بلایا اور رجسٹر مجھے دے دیئے اور کہا کہ تم کام کرو تمہارے نانا یہ رجسٹر پھینک کر چلے گئے ہیں۔ میں اُن دنوں قرآن اور حدیث کے مطالعہ میں ایسا مشغول تھا کہ جب زمینوں کا کام مجھے کرنے کے لیے کہا گیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ جائیداد ہے کیا بَلا اور وہ کس سمت میں ہے۔ مغرب میں ہے یا مشرق میں، شمال میں ہے یا جنوب میں، مَیں نے زمینوں کی لسٹیں اپنے ہاتھ میں لے لیں اور افسردہ شکل بنائے گھر سے باہر نکلا۔ مجھے اُس وقت یہ علم نہیں تھا کہ "حقِ اولاد در اولاد" کا الہام کیا کام کر رہا ہے۔ میں جونہی باہر نکلا ایک صاحب مجھے ملے اور کہنے لگے میاں صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ کو زمینوں کے لیے کسی نوکر کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا آج نانا جان غصہ میں آ کر والدہ کے سامنے رجسٹر پھینک کر چلے گئے ہیں۔ اور میں حیران ہوں کہ یہ کام کس طرح کروں۔ کہنے لگے میں اِس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میں نے کہا آپ شوق سے یہ کام سنبھالیں درحقیقت یہ آپ کا ہی حق ہے۔ مگر آپ لیں گے کیا؟ کہنے لگے آپ مجھے صرف دس روپے دے دیجئے۔ میں نے کہا دس روپے؟ میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ کہنے لگے آپ فکر نہ کریں بڑی بھاری جائیداد ہے۔ اور میری تنخواہ اس میں سے بڑی آسانی کے ساتھ نکل آئے گی۔ میں نے اُس وقت بغیر پڑھے رجسٹر اُن کے حوالے کر دیئے۔ اور کہا کہ اگر آپ دس روپے پیدا کر سکیں تو لے لیجئے ورنہ میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔

اُنہی دنوں قرآن کریم کے پہلے انگریزی پارہ کی اشاعت کا سوال پیدا ہوا۔ اُس پارہ کے لیے میں اُردو میں مضمون لکھتا تھا اور ماسٹر عبدالحق صاحب مرحوم اُس کا انگریزی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ وہ اتنا اعلیٰ ترجمہ کرنے والے تھے کہ آج تک یورپ سے خطوط آتے رہتے ہیں کہ آپ کے پہلے پارہ کی زبان نہایت شان دار ہے۔ اور پھر وہ اتنی جلدی ترجمہ کرتے تھے کہ

میں پیچھے رہ جاتا اور وہ مضمون کا ترجمہ کر کے لے آتے ۔ حالانکہ میں خود اتنا زود نویس تھا کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں پوری کتاب لکھ دیتا۔ اُن دنوں مسجد مبارک کے نچلے کمرے میں بیٹھ کر میں کام کیا کرتا تھا۔ ایک دن بیٹھا مضمون لکھ رہا تھا کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے پوچھا تو پتا لگا کہ ماسٹر عبدالحق صاحب آئے ہیں۔ میں نے کہا آپ کس طرح آئے ہیں؟ کہنے لگے مضمون دیجیئے۔ میں نے کہا ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں آپ کو مضمون بھجوا چکا ہوں۔ کہنے لگے اُس کا ترجمہ تو میں ختم بھی کر چکا ہوں۔ اب مجھے آگے مضمون دیجیئے۔ میں نے کہا میرے پاس تو ابھی مضمون تیار نہیں ۔ کہنے لگے خیر میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں آپ مضمون لکھ لیں تو مجھے بھجوا دیں ۔ بہرحال جب مضمون تیار ہو گیا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ یہ پارہ ہم اپنے خاندان کی طرف سے چھپوا دیں مگر اس کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی۔ ہمارا اندازہ یہ تھا کہ اس کے لیے چار ہزار روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ آخر سوچ سوچ کر میں نے یہ تجویز نکالی کہ ہم اپنی جائیداد کا کچھ حصہ بیچ دیتے ہیں۔ اِس ذریعہ سے جو آمد ہوگی وہ قرآن کریم کے چھپوانے پر خرچ کر دی جائے گی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا ہماری طرف سے زمین بیچنے کی اجازت ہے۔ مگر اب میں ڈروں کہ چار ہزار روپیہ آ بھی سکتا ہے یا نہیں؟ میں نے اُسی دوست کو بلوایا اور کہا کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ قرآن کریم ہمارے خاندان کے خرچ پر شائع ہو۔ کیا اِس کے لیے چار ہزار روپیہ اکٹھا ہو سکتا ہے؟ کہنے لگے آپ کہیں تو بیس ہزار روپیہ بھی اکٹھا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا بیس ہزار نہیں صرف چار ہزار روپیہ چاہیے۔ جب میں نے یہ بات کہی اُس وقت کوئی گیارہ بجے ہوں گے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ روپیہ کب تک اکٹھا ہو سکتا ہے؟ کہنے لگے ظہر تک لا دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ ظہر کی نماز پڑھا کر میں الفضل کے دفتر میں گیا تو انہوں نے چار ہزار روپیہ کی تھیلی میری سامنے لا کر رکھ دی۔ اور کہا ابھی اَور بہت سے گاہک موجود ہیں اگر آپ کہیں تو بیس پچیس ہزار روپیہ بھی آ سکتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ دینے پر آتا ہے تو اِس طرح دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

پس مت سوچو کہ تمہاری اولادیں کیا کھائیں گی اور کہاں سے ان کے لیے رزق آئے گا۔ ہمیں تو یہ فکر رہتی ہے کہ ہمیں جو کچھ خدا نے دیا ہے یہ ہماری اولادوں کی تباہی کا موجب نہ

ہو جائے۔ ہمیں یہ فکر نہیں کہ وہ کھائیں گے کہاں سے۔ ہمیں تو یہ فکر ہے کہ وہ کہیں اپنے کھانے پینے میں ہی نہ لگ جائیں اور خدا اور اُس کے دین کو بُھلا نہ بیٹھیں۔

میں نے بتایا ہے کہ شروع میں میری یہ حالت تھی کہ میں دس روپیہ کا نوکر بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ مگر اب سندھ کی زمینوں پر جو میرے ملازم کام کر رہے ہیں اُن کی چار ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔ کجا یہ کہ دس روپیہ کے نوکر پر میری جان نکلتی تھی اور کجا یہ کہ اب چار ہزار روپیہ ماہوار میں انہیں دیتا ہوں۔ یہ روپیہ آخر کہاں سے آیا؟ خدا نے ہی دیا۔ ورنہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔

جب ہم قادیان سے آئے ہیں اُس وقت بیس بیس ہزار روپیہ پر ایک ایک کنال فروخت ہو رہی تھی۔ اگر ساری جائیداد فروخت کرنے کا ہمیں موقع ملتا تو وہ کروڑوں روپیہ کی مالیت کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو ایسے ایسے رستوں سے دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں اپنے سب بچوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم اِس روپیہ کو دیکھ کر کبھی یہ دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ تمہاری کوشش اور جدوجہد کے نتیجہ میں تمہیں حاصل ہو رہا ہے۔ تمہیں جو کچھ مل رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل مل رہا ہے۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ نہ ہوتا کہ میں مامور ہوں اور آپ کی وجہ سے قادیان کو تقدس حاصل نہ ہوتا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ پھر بھی وہاں بیس بیس اور پچیس پچیس ہزار کو ایک ایک کنال فروخت ہوا کرتی؟ یہ قیمت اِسی لیے بڑھی کہ لاہور اور سیالکوٹ اور گجرات اور بمبئی اور کلکتہ سے لوگ آئے اور وہاں انہوں نے اپنی رہائش کے لیے زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ اور وہ اگر وہاں آ کر آباد ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کی وجہ سے۔ پس کبھی یہ خیال نہ کرو کہ تم اپنے روپیہ سے بڑھ رہے ہو۔ تمہیں خدا اپنے پاس سے رزق دے رہا ہے۔ پس تم خدا کا شکر ادا کرو اور اس بات کو یاد رکھو کہ دنیا نے تم کو نہیں پالنا۔ خدا نے تم کو پالنا ہے۔ تم اپنے اندر دین کی خدمت کا احساس پیدا کرو اور سمجھ لو کہ ہر دنیوی پیشہ کے ساتھ تم دین کی بھی خدمت کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم مشورہ کے لیے صحیح آدمی کا انتخاب کرو۔

چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو ہی دیکھ لو وہ ایسی دُھواں دھار تقریر کرتے ہیں کہ ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے۔ لیکن مذہبی معاملات پر انہوں نے جب بھی کوئی تقریر کرنی ہوتی تھی ہمیشہ میرے پاس آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے نوٹ لکھوا دیجئے۔ چنانچہ سالہا سال تک میں انہیں

نوٹ لکھواتا رہا اور وہ میرے نوٹوں کو بڑھا کر تقریر کر دیا کرتے۔ اب بھی گو میں بیمار تھا اور ڈاکٹروں کی ہدایت تھی کہ میں سیر و تفریح میں اپنا وقت گزاروں۔ مگر چودھری ظفر اللہ خان صاحب موٹر کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے میری طرف منہ پھیر کر کہتے حضور! فلاں آیت کا کیا مطلب ہے؟ اور میں اُس کا مفہوم بیان کرنا شروع کر دیتا۔ میں سمجھتا کہ میرا بھی شغل ہو رہا ہے اور انہیں بھی فائدہ پہنچ رہا ہے اس میں حرج کیا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ موٹر میں بیٹھے ہوئے سفر بھی ہو رہا ہوتا اور وہ مجھ سے مختلف امور کے متعلق استفادہ بھی کر رہے ہوتے۔ جس طرح چودھری ظفر اللہ خان صاحب دین کی خدمت کر رہے ہیں اُسی طرح ہر شخص کر سکتا ہے۔ صرف اِتنی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ عقل سے کام لے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب صرف اس لیے ترقی کر گئے کہ انہیں دین کا شوق ہے اور وہ اسلامی مسائل کے متعلق سوچتے اور تدبر کرتے رہتے ہیں اور جن باتوں کا انہیں خود پتا نہ لگے وہ مجھ سے پوچھتے ہیں اور پھر اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ساتھ ہی خدا نے انہیں ایسا ملکہ دیا ہے کہ وہ تقریر کرتے ہیں تو شور مچ جاتا ہے کہ بڑی اعلیٰ تقریر کی ہے۔ جس طرح وہ کر رہے ہیں اُسی طرح تم میں سے ہر شخص دین کی خدمت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم کرنا چاہو اور اپنے اپنے کاموں کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے بھی کچھ وقت نکالو۔ پھر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اِس وقف کو مستقل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو اپنے تمام کاموں سے الگ ہو کر خالص دینی خدمت میں مشغول رہیں 3 مگر ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ اُن کے لیے یہی طریق ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا کا کام بھی کریں اور اس کے ساتھ دین کو بھی نظر انداز نہ کریں۔

یاد رکھو جب تک جماعت میں نسلاً بَعْدَ نسلٍ ایسے لوگ پیدا نہ ہوتے رہیں گے جو دین کی اشاعت کے لیے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جائیں اور اسلام کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لیے تیار ہوں اُس وقت تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں چھوٹا تھا کہ میں نے بچپن کے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک انجمن بنائی اور رسالہ تشحیذ الاذہان ہم نے جاری کیا۔ میرے اُس وقت کے دوستوں میں سے ایک چودھری فتح محمد صاحب سیال ہیں۔ جن کی لڑکی چودھری عبداللہ خان صاحب کے گھر ہے۔ ایک دفعہ چودھری عبداللہ خان صاحب کی بیوی مجھے کہنے لگیں کہ ابا جی

کو جب آپ نے ناظر اعلیٰ بنا دیا تو وہ گھر میں بڑا افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے وقف کیا تھا اور انہوں نے ہمیں کرسیوں پر لا کر بٹھا دیا ہے۔ دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں وہ لوگ بھی ہیں جو مجھے لکھتے رہتے ہیں کہ واقفِ زندگی کی قدر ہونی چاہیے۔ باہر سے آنے والوں میں سے کوئی وکیل اعلیٰ ہو جاتا ہے اور کوئی ناظر اعلیٰ ہو جاتا ہے اور ہم مبلغ کے مبلغ ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے خدا کہے کہ بندوں میں سے تو کوئی ترقی کر کے ہٹلر بن گیا اور کوئی نپولین بن گیا اور میں خدا کا خدا ہی رہا۔ بھلا مبلغ سے بڑا کون سا مقام ہو سکتا ہے جو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ جو شخص سچا حقیقی مبلغ ہوتا ہے وہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جیسے ایمبیسڈر اپنی اپنی حکومتوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے وزراء ہز ایکسی لینسی نہیں کہلا سکتے۔ لیکن ایمبیسڈر ہز ایکسی لینسی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی اپنی حکومتوں کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ اِسی سفر میں ایک دن چودھری ظفر اللہ خان صاحب کہنے لگے کہ میں جب تک وزارت خارجہ میں تھا ہز ایکسی لینسی نہیں کہلا سکتا تھا۔ لیکن اب انٹرنیشنل کورٹ کا جج ہونے کی وجہ سے میں بائی رائٹ (By Right) اپنے آپ کو ہز ایکسی لینسی لکھ سکتا ہوں۔ جس طرح دنیا میں بعض لوگ حکومتوں کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے خاص عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اِسی طرح مبلغ ہونا بھی ایک بہت بڑی عزت کا مقام ہے۔ مبلغ سے کسی اَور کو اونچا سمجھنا ایسی ہی بیوقوفی کی بات ہے جیسے کسی جج نے ایک شخص کو پھانسی کی سزا دی تو وہ چیخ مار کر کہنے لگا کہ اِس سے تو بہتر تھا کہ مجھے موت کی سزا دے دیتے۔ جیسے اُس کا قول احمقانہ تھا اِسی طرح یہ بھی بیوقوفی کی بات ہے کہ ایک مبلغ سے کسی اَور کا مقام اونچا سمجھا جائے۔ غرض خدا نے تمہارے لیے بڑی بڑی عزتیں رکھی ہیں تم خدا پر توکل کرو اور اُس کے دین کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرو۔ وہ دینے پر آتا ہے تو وہ کچھ دے دیتا ہے کہ انسان اُسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ ہم نے ساری عمر میں دنیوی قابلیتوں کے بغیر وہ کچھ علم حاصل کیا ہے جو بڑی سے بڑی ڈگریاں رکھنے والوں کو بھی نہیں ملا۔ اِسی طرح مالی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری ایسے ایسے رستوں سے مدد کی جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ پس خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے تم اس کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اگر تم اُس پر توکل رکھتے ہوئے اُس کی طرف اپنا قدم بڑھاؤ گے تو یقیناً

تمہارا خدا تم کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ تمہارا ہاتھ پکڑ لے گا اور تم محسوس کرو گے کہ تمہارا خدا تمہارے سامنے کھڑا ہے۔

میرے پاس اس سفر میں ایک نومسلم انگریز آیا اور اس نے کہا کہ میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کروں مگر مجھے پتا نہیں لگتا کہ میں اُس کے قریب ہو گیا ہوں یا نہیں؟ میں نے کہا تمہاری اس خواہش کا انحصار تمہارے اس ایمان اور یقین پر ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کا دروازہ تمہارے لیے بند نہیں بلکہ تم بھی اس کے انعامات کو اُسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح پہلے لوگوں نے حاصل کیے۔ اگر تم سچے دل سے یہ یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کے انعامات کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں اور ہر ترقی تمہارے لیے ممکن ہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ تمہارے قریب نہ آئے۔ وہ یقیناً تمہارے لیے اپنے قُرب کے دروازے کھول دے گا اور تم محسوس کرو گے کہ وہ تمہارے قریب آ گیا ہے۔ جیسے تمہارے کمرہ میں اگر آگ جل رہی ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تم اُس آگ کے وجود سے انکار کر سکو کیونکہ اُس کی گرمی تمہیں محسوس ہونے لگتی ہے۔ اِسی طرح اگر تم یقین رکھو کہ تمہارے لیے لامتناہی ترقیات کے دروازے کُھلے ہیں اور تمہارا خدا بخیل نہیں تو یقیناً اُس کا قرب تمہیں محسوس ہی نہیں ہوگا بلکہ تم اپنی روحانی آنکھوں سے اُس کو دیکھنا شروع کر دو گے۔ میرے اس جواب کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ نماز کے بعد کئی گھنٹے تک مسجد میں بیٹھا رہا اور اُس نے کہا مجھے اپنی ساری زندگی میں آج پہلی دفعہ یہ محسوس ہوا ہے کہ میرے لیے بھی ترقی کا راستہ کھلا ہے۔ اور مجھے جو روحانی سرور اِس سے حاصل ہوا ہے وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔

اِسی طرح تم بھی خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرو اور اُس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ اُس کے تمام انعامات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئے ہیں۔ یا مسیح موعودؑ پر ختم ہو گئے ہیں یا مجھ پر ختم ہو گئے ہیں۔ اُس کے انعامات کے دروازے تم سب کے لیے کھلے ہیں۔ اگر تم ان دروازوں میں داخل ہو کر اُس کے انعامات کو حاصل نہیں کرتے تو تم سے زیادہ بدقسمت اور کوئی نہیں۔ لیکن اگر تم کوشش کرتے رہو اور اُس کے انعامات پر یقین رکھو تو تم وہی کچھ حاصل کر سکتے ہو جو سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اور شبلیؒ اور معین الدین صاحب چشتیؒ نے حاصل کیا۔ تمہارا خدا

بخیل نہیں اور نہ اُس کی جیب میں کمی ہے۔ اُس کی جیب میں سارے درجے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر تم یقین اور ایمان کے ساتھ اُس کی طرف بڑھو تو وہ معین الدین صاحب چشتی ؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔ محی الدین صاحب ابن عربی ؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔ وہ ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی ؒ والا انعام نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔ ''

(الفضل 22/اکتوبر 1955ء)

1: الانفال:76

2: متی باب 6 آیت 19 تا 21 (مفہوماً)

3: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران:105)